© rasailojaraid.com

پروفیسر معراج محمد

سلطنتِ دہلی میں تاریخ نویسی کا آغاز

مسلمانوں کی آمد سے قبل ہندوستان میں فن تاریخ نویسی کا فقدان تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم ہند کی تاریخ کے ماخذ محض ہندو دیو مالا کی داستانیں، مذہبی قصے کہانیاں یا کتبے اور سکے ہیں جن سے اس دور کے واقعات و شخصیات کی واضح شکل سامنے نہیں آتی بلکہ صرف دھندلے خاکے نظر آتے ہیں۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی فتوحات کے ساتھ ہی ہندوستان میں تاریخ نویسی کے ایک شاندار دور کا آغاز ہوا اور عظیم الشان تاریخی کتابیں وجود میں آئیں۔ ہندوستان کے مسلمان مؤرخین کی تصانیف مثلاً منہاج السراج کی طبقاتِ ناصری، برنی کی تاریخ فیروز شاہی، ابوالفضل کا اکبر نامہ اور بدایونی کی منتخب التواریخ وغیرہ تاریخ نویسی کے ایسے عظیم کارنامے ہیں کہ ہندو دور کی تواریخ تو الگ رہیں، قرونِ وسطیٰ کی یوروپین تاریخیں بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ چنانچہ پروفیسر ڈوڈویل اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"اسلام کی آمد کے بعد ہندوستان میں ایسی مسلم تاریخیں وجود میں آئیں جو خود ہماری قرونِ وسطیٰ کی (یوروپین) تواریخ سے بدرجہا اعلیٰ مرتبہ کی حامل ہیں۔ یہ تاریخیں (ہماری ان تاریخوں کی طرح) خانقاہوں اور گرجوں کے راہبوں نے نہیں لکھیں، بلکہ ان لوگوں نے لکھی تھیں جو بذاتِ خود حکومت کے کاموں میں شریک تھے اور اکثر و بیشتر (ان حالات کے) معاصر تھے۔ انھوں نے ان واقعات کو بچشم خود دیکھا تھا، یا بذاتِ خود ان مہمات میں شریک تھے ..... (ہندوستان کی تاریخ کا) مسلم دور جیتی جاگتی شخصیات کا مرقع پیش کرتا ہے، جبکہ ہندو دور میں ہمیں صرف (مدھم) سائے نظر آتے ہیں۔"[1]

یہ سب دراصل مسلمانوں کی علمِ تاریخ سے غیر معمولی دلچسپی کا نتیجہ تھا جو اس وجہ سے پیدا

---

[1] ایچ۔ ایچ۔ ڈوڈویل۔ انڈیا، لندن، ۱۹۳۶ء، ج ۱، ص ۲۲، ۲۳۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئی کہ ان کے مذہب اور معاشرہ میں علم تاریخ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اور ان کا ذہن تاریخی نقطۂ نظر سے سوچتا ہے۔ اوّل تو عربوں کو اسلام سے قبل ہی علم الانساب اور علم الایّام سے شغف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد اسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لیے انھوں نے علم حدیث، مغازی و سیر، آثار و اقوالِ صحابہ اور علم اسماء الرجال کو نشو و نما دی اور ان علوم پر گراں بہا تصانیف لکھیں۔ اس سے ان کے علم تاریخ کے ذوق کو مزید جلا ملی، اور روز افزوں اضافہ ہوا۔

عرب مسلمانوں کے اثر سے علم تاریخ کا ذوق مفتوح غیر عرب قوموں میں بھی پیدا ہوا جو بعد میں دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں اور پھر جب عربوں میں انحطاط پیدا ہوا تو ان غیر عرب مسلمان قوموں نے اس فن میں کمال پیدا کیا اور ان کے معاشرہ میں مؤرخ کو عزت حاصل ہوئی۔

ہندوستان پر مسلمانوں کے حملے سے قبل ہی اسلامی دنیا میں تاریخ سے دلچسپی بعض ایسے اسباب کی وجہ سے بھی پیدا ہو گئی تھی جن کا تعلق دین و مذہب سے نہیں تھا، بلکہ وہ دوسری قسم کے عوامل تھے۔ مثلاً وہ اپنے جنگی کارناموں اور فتوحات کی داستانوں کو فخر سے سناتے تھے اور ان کو محفوظ رکھتے تھے، اس کے علاوہ آخر دورِ خلافت عباسی میں جو عجمی سلاطین برسرِ اقتدار آئے انھوں نے بھی ایسی تاریخیں لکھنے کی حوصلہ افزائی کی جن میں ان کی سطوت و عظمت کا ذکر ہو، ان کی جنگی فتوحات کا بیان ہو اور ان کی خدا ترسی، نیک کاموں اور علمی سرپرستی کے کارناموں کا تذکرہ ہو۔ نیز یہ سلاطین جس طرح سیرتِ نبوی اور سوانح صحابہؓ سننے میں دلچسپی لیتے تھے اسی طرح قدیم ایران و ترکستان کی تاریخیں اور وہاں کے بادشاہوں کے تذکرے بھی ذوق و شوق سے سنتے تھے تاکہ ان کے تجربات اور واقعات سے سبق لیں اور ان پر فخر کریں۔

انھی وجوہ کی بنا پر اس دور میں مؤرخ کو مسلم معاشرہ کے تعلیم یافتہ اور سربرآوردہ طبقہ میں غیر معمولی مقبولیت حاصل ہو گئی اور اس کی قدر و منزلت بڑھنے لگی۔ شعرا کی طرح اس کو بھی بادشاہوں کی سرپرستی حاصل ہوئی اور شاہی دربار میں ایک مؤرخ کا موجود ہونا یا اس سے منسلک رہنا ایک روایت بن گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بارھویں صدی عیسوی کے آخر میں جب سلطان شہاب الدین غوری ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیادیں استوار کر رہا تھا، اس وقت تک تاریخ نویسی مسلمانوں کا ایک پسندیدہ علم اور محبوب فن بن چکا تھا۔ پھر جیسے جیسے برصغیر ہند میں مسلمانوں کا سیاسی اقتدار اور تہذیبی دائرۂ اثر بڑھتا گیا۔ علم تاریخ اور فنِ تاریخ نویسی سے ہند کے مسلمانوں کی دلچسپی بھی بڑھتی گئی۔ عہد وسطٰی کے ہندوستان میں علم تاریخ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اور تاریخ نویسی سے روز افزوں دلچسپی کا ہی نتیجہ ہے کہ زمانہ کے اس قدر انقلابات کے باوجود آج بھی اس دور کی متعدد تاریخیں دست یاب ہیں جو زمانہ کی دستبرد سے محفوظ رہ گئیں۔

غزنوی دور کے اوائل میں جب کہ غزنہ دارالسلطنت تھا، خاندانِ غزنوی اور ملکِ ہندوستان سے متعلق تواریخ عربی زبان میں لکھی گئیں اور جو تاریخیں فارسی میں لکھی گئیں ان میں بھی عربی فنِ تاریخ نویسی کی روایت کو ملحوظ رکھا گیا جس میں تنقید روات کا خیال رکھا جاتا تھا۔ مثلاً ابوریحان البیرونی (متوفی ۴۴۰ھ/۱۰۴۸ء) نے خود ہندوستان میں رہ کر یہاں کے مذاہب، رسوم و رواج، علوم و فنون، جغرافیائی حالات وغیرہ سے واقفیت حاصل کی اور پھر ان تمام معلومات کو اپنی کتاب "تحقیق ما للهند"[۲] میں عربی زبان میں پیش کیا۔ قدیم ہند کی سماجی و علمی تاریخ کے سلسلہ میں یہ تصنیف اب بھی ایک مستند ماخذ تسلیم کی جاتی ہے۔

البیرونی کے معاصر ابونصر محمد العتبی (م ۴۲۷ھ/۱۰۳۶ء) نے بھی عربی زبان ہی میں "تاریخ یمینی"[۳] مرتب کی جس میں سبکتگین کے پورے دور کی تاریخ لکھی ہے اور سلطان محمود غزنوی کے حالات ۴۱۰ھ/۲۰-۱۰۱۹ء تک بیان کیے ہیں۔ اس نے محمود کے ہندوستان پر تمام حملوں کا ذکر کیا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ محمود کا منشی اور قریبی ساتھی ہونے کے باوجود وہ اس کی مہمات ہند میں شامل نہیں تھا، کیونکہ وہ سرزمین ہند کے جغرافیائی حالات سے واقف نظر نہیں آتا۔ اس کی پیش کردہ جغرافیائی معلومات ناکافی اور غلط ہیں۔ اس کے علاوہ وہ تواریخ اور سنین کے

۲ھ ابوریحان البیرونی: کتاب تحقیق ما للهند۔" مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۵۸ء

۳ھ مطبوعہ لاہور، در مطبع محمدی ۱۳۰۰ھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بیان کرنے کی طرف بھی زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ اس کی کتاب میں بہت کم تاریخیں ہیں اور ان میں بھی غلطیاں موجود ہیں۔ شاہی منشی ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس نے اپنی کتاب میں دونوں بادشاہوں کی تعریفوں کے پل باندھے ہیں، لیکن یہ تاریخ اس دور کے سیاسی حالات پر بھی اچھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ یہ واحد تاریخ ہے جو محمود غزنوی کی زندگی میں لکھی گئی ہے۔ اس کی مقبولیت کا اندازہ اس حقیقت سے ہوتا ہے کہ اس کے فارسی زبان میں کئی ترجمے ہوئے ہیں اور شرح بھی لکھی گئی ہے۔

فارسی زبان میں عربی طرز کی تاریخ نویسی کی بنیاد سامانیوں کے عہد میں وسط ایشیا میں پڑ چکی تھی جب کہ ابو علی محمد بلعمی (م ۳۶۳ھ/۹۷۴ء یا ۳۸۶ھ/۹۹۶ء) نے ۳۵۲ھ/۹۶۳ء میں تاریخ طبری کا خلاصہ اور ترجمہ فارسی زبان میں کیا۔[۴۷]

اسی عربی طرز و روایت کو دربارِ غزنی میں آلِ سبکتگین کے زیرِ سرپرستی مزید ترقی حاصل ہوئی۔ یہاں ابوالفضل محمد بن الحسین بیہقی (م ۴۷۰ھ/۱۰۷۷ء) نے فارسی زبان میں تیس[۳۰] سے زائد جلدوں پر مشتمل آلِ سبکتگین کی تاریخ لکھی۔ لیکن اس تاریخ کا بیشتر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ آج کل صرف جلد پنجم کا آخری، جلد ششم تا جلد نہم مکمل اور جلد دہم کا ابتدائی حصہ دست یاب ہے۔ یہ عام طور پر تاریخ بیہقی کے نام سے معروف ہے۔[۴۸]

بیہقی نے اپنی تاریخ کی جلد دہم کے آغاز میں ایک عمدہ مؤرخ کی شرائط و اوصاف کا ذکر کیا ہے اور اپنے بتائے ہوئے نمونہ اور معیار پر پورا اترنے کا دعویٰ کیا ہے۔ اس کا دیباچہ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ فنِ تاریخ نویسی کے آداب و اصول سے خاصی حد تک واقف تھا اور مؤرخین عام طور پر جن غلطیوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان کا اسے پورا اندازہ تھا۔

اس کے نزدیک اپنے مآخذ کے لحاظ سے تاریخ کی صرف دو ہی قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو انسان دوسروں سے سنتا ہے اور دوسری وہ جو کتابوں سے حاصل کرتا ہے۔ تاریخ کا صحیح علم

۴۷؎ تاریخ طبری فارسی، مطبوعہ لکھنؤ ۱۲۹۱ھ

۴۸؎ اس کو پہلی مرتبہ مورلی نے کلکتہ سے ۱۸۶۲ میں شائع کیا، پھر طہران سے ۱۳۰۷ھ میں شائع ہوئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حاصل کرنے کے لیے اس کے نزدیک، دونوں طریقوں میں احتیاط اور محنت کی ضرورت ہے۔ اول طریقہ میں دنیا بھر کے سفر کی مشقتیں جھیلنی پڑتی ہیں اور واقعات نقل کرنے والے راوی کو دیکھنا ہوتا ہے کہ وہ ثقہ، مستند اور سچا ہو اور عقل اس کے بیان کردہ واقعات کو باور کرے۔ دوسرے طریقہ میں مستند اور معتبر کتابوں کی ورق گردانی اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے تاکہ ان میں سے اصل واقعات چھان پھٹک کر اخذ کیے جائیں اور اس کتاب کے واقعات بھی ایسے ہوں کہ قاری یا سامع ان واقعات کو قبول کرے۔ اس کو شکوہ ہے کہ اکثر لوگ بہ نسبت سچے واقعات کے احمقانہ قصوں اور کہانیوں کو زیادہ پسند کرتے ہیں اور جنوں پریوں کی حکایات سننے میں دلچسپی لیتے ہیں۔ پھر وہ اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ وہ صرف سچے ہی واقعات قلمبند کرے گا جو یا تو اس کے مشاہدہ پر موقوف ہیں یا جو اس نے ثقہ و معتبر راویوں سے سنے ہیں[۵۶]

ہندوستان کے اوّلین مسلمان حکمران نسلاً ترک تھے جو وسطی ایشیا سے آئے تھے لیکن انھوں نے شعر و ادب اور انتظامِ سلطنت کے کاموں میں ترکی زبان کی بجائے فارسی زبان اختیار کی۔ ان میں سے جو لوگ ترکِ وطن کر کے ہندوستان میں آبسے وہ تقریباً دوسری نسل میں اپنی مادری زبان ترکی بھول گئے اور غالباً فارسی زبان و ثقافت کی عظمت و جامعیت سے متاثر ہو کر صرف فارسی کو اظہارِ خیال کا ذریعہ بنایا۔

تعجب خیز بات یہ ہے کہ جیسے ہی ان سلاطین کا مرکز غزنہ سے لاہور منتقل ہوا تو نہ صرف یہ کہ وہاں فارسی زبان چھا گئی بلکہ اس دور کے مؤرخین نے غزنہ کی فنِ تاریخ نویسی کی اس روایت کو بھی خیرباد کہہ دیا جو عربی طرز پر مبنی تھی، اور جس میں تنقیدِ رجال اور استناد کا خیال رکھا جاتا تھا۔ اب انھوں نے راویوں کا حوالہ دینے یا ان پر تنقید کرنے کا طریقہ ترک کر دیا۔ چنانچہ غوریوں کے شروع عہد سے ہی ہم دیکھتے ہیں کہ لاہور اور دیگر بلادِ ہند میں

---

[۵۶] ایلیٹ اینڈ ڈاوسن۔ دی ہسٹری آف انڈیا ایز ٹولڈ بائی اِٹس اون ہسٹوریئنس، سبکتگین، کلکتہ، ۱۹۵۲ء، ص ۴۹-۵۰۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لکھی جانے والی تواریخ میں عربی طرز تاریخ نویسی مفقود ہے۔ البتہ دیگر خصوصیتوں کے لحاظ سے اس دور کی تاریخیں ماقبل کی تاریخوں کے مطابق رہیں۔ مثلاً ہند پر غوری حملہ کے بعد سے آخر عہدِ سلطنتِ دہلی تک کی تمام تاریخیں مندرجہ ذیل چار اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کے تحت آتی ہیں اور ان چاروں اقسام کی تاریخیں غوری حملۂ ہند سے قبل بھی عالم اسلام میں پائی جاتی تھیں ؎۵۷

۱۔ عالمگیر تواریخ جو آفرینشِ عالم یا حضرت آدم سے شروع ہوتی ہیں اور پھر اپنے عہد تک کی اسلامی دنیا کا جائزہ لیتی ہیں۔ یا ان میں سے بعض کسی خاص خطۂ زمین میں مسلمانوں کی آمد سے لے کر اپنے زمانہ تک کے واقعات بیان کرتی ہیں۔ گویا ہمہ گیری ان کی خصوصیت ہے۔

۲۔ مناقب یا فضائل کے طرز کی تواریخ جن میں کسی حاکم و سلطان یا کسی اور شخصیت کی تعریف اور قصیدہ آرائی ہوتی ہے۔

۳۔ ناصحانہ طرز کی تواریخ جن میں بادشاہوں کو اصولِ جہانبانی اور آدابِ جہانداری تلقین کیے جاتے ہیں اور گزشتہ تاریخ سے مثالیں دی جاتی ہیں۔

۴۔ فن کارانہ اور شاعرانہ رنگ کی تواریخ، جن میں شعر و ادب کی صناعی اور مہارت دکھائی جاتی ہے۔

یہ محض اتفاق کی بات ہے کہ شمالی ہند میں غوری سلطنت کے آغاز میں ہی جو تاریخ لکھی گئی اس میں یہ چاروں خصوصیات بیک وقت پائی جاتی ہیں۔ گویا وہ اس زمانہ کی مسلم تاریخ نویسی کا مکمل نمونہ اور ان کی تمام خصوصیات کی آئینہ دار ہے۔ اس تاریخ کا عنوان ہے: "شجرۃ الانساب مبارک شاہی ؎۵۸" یہ کتاب فخر مدبر مبارک شاہ (م ۶۰۲ھ/ ۱۲۰۶ء) نے قطب الدین ایبک کے

؎۵۷ جیسا کہ پیٹر ہارڈی نے اپنے مقالہ میں بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو:

P. HARDY: "SOME STUDIES IN PRE-MUGHAL MUSLIM HISTORIOGRAPHY, IN C.H. PHILIPS, ED, "HISTORIANS OF INDIA, PAKISTAN AND CEYLON", LONDON, 1961, P. 115-116.

؎۵۸ یہ کتاب ڈینی سن راس نے ایڈٹ کر کے "تاریخ فخر الدین مبارک شاہ" کے غلط عنوان سے ۱۹۲۷ء میں لندن سے شائع کی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عہد میں لکھ کر اس کو پیش کی تھی۔ اس میں اصل چیز نسب نامے ہیں مگر ان کے ساتھ ایک مقدمہ بھی شامل کیا ہے جس میں ابتدائے آفرینش عالم کا حال بیان کیا ہے اور دیگر بہت سے تاریخی واقعات مذکور ہیں۔ ان شجروں اور نسب ناموں کی وجہ سے اس کتاب میں عالمگیر تاریخ کا عنصر پایا جاتا ہے پھر بعض جنگوں کے واقعات کی ترتیب اور شمالی ہند میں مسلمانوں کی فتوحات کا مختصر حال مذکور ہے۔ بادشاہ وقت قطب الدین ایبک کی تخت نشینی کا حال اور اس کی تعریف و توصیف ہے۔ حکمرانی کے اصول اور اچھا بادشاہ بننے کے لیے نصیحتیں ہیں۔ اس کے علاوہ متفرق علوم مثلاً علم جغرافیہ و ہیئت سے متعلق معلومات ہیں۔ گویا یہ کتاب مذکورہ بالا چاروں عناصر پر حاوی ہے۔ مگر عربی تاریخ نویسی کا اصول تنقید رواۃ اور جرح و تعدیل اس میں مفقود ہے۔

فخر مدبر کے ہمعصر نور الدین محمد عوفی (م ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء) نے ملتان و اچھ کے فرمانروا ناصر الدین قباچہ اور پھر دہلی کے سلطان شمس الدین التتمش کے وزیر نظام الملک محمد جنیدی کے زیر سرپرستی غالباً ۶۳۰ھ/۱۲۳۲ء میں "جوامع الحکایات و لوامع الروایات" مکمل کی۔ یہ کتاب انبیاء و اولیا اور ملوک و امرا کے متفرق واقعات اور ایسی حکایات کا مجموعہ ہے جن سے انسانی خوبیوں اور خامیوں کی رونمائی ہوتی ہے۔ لیکن ان روایات کے بیان کرنے میں بہ نسبت معتبر تواریخ کے اس زمانہ کے زبان زد عام واقعات پر زیادہ بھروسہ کیا گیا ہے۔ لیکن چونکہ عوفی التتمش کے عہد کی دہلی میں رہ چکا ہے، لہٰذا محض ایک قصہ گو سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اس کو اہم و معتبر واقعات منتخب کرنے کے زیادہ مواقع فراہم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی بیان کردہ بہت سی روایات تاریخ نگار کے لیے اچھا مواد پیش کرتی ہیں اور ان میں سبکتگین، محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری وغیرہ کے بعض ایسے واقعات مل جاتے ہیں جو حقیقت پر مبنی ہیں، اگرچہ ان میں زیب داستاں کے لیے اضافے بھی ہیں۔

اسی زمانہ میں صدر الدین محمد بن حسن نظامی (م ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء) نے دہلی میں شرف الملک کے

---

۹ یا "جمال الدین" یا "سدید الدین" جیسا کہ ڈاکٹر محمد نظام الدین کا خیال ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمہ جوامع الحکایات، مطبوعہ کیمبرج، ۱۹۲۹ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایما پر "تاج المآثر" کے عنوان سے ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں ایک تاریخ لکھنی شروع کی، جو ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء سے لے کر ۶۲۶ھ/۱۲۲۸ء تک کے اہم واقعات پر مشتمل ہے۔ یعنی یہ دوسری جنگ ترائن سے شروع ہوتی ہے، قطب الدین ایبک کی تخت نشینی اور وفات کا حال بیان کرتی ہے اور پھر التتمش کے ابتدائی دورِ حکومت کے احوال پر ختم ہو جاتی ہے۔

اگرچہ یہ اس دور کی مستند تاریخ ہے مگر اس میں سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں تاریخی معلومات بہم پہنچانے سے پُر تکلف انشا پردازی اور شاعرانہ فن کاری دکھائی گئی ہے۔ نصف سے زائد کتاب نظم پر مشتمل ہے۔ شاعرانہ کمالات دکھانے اور قافیہ بندی کی خاطر صفحے کے صفحے سیاہ کیے گئے ہیں اور تمام صنائع و بدائع اور مختلف علوم و فنون مثلاً علم نجوم و ہیئت، طب، شطرنج، علم الحیوانات و نباتات وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔ اسی طرح مظاہر قدرت اور دیگر اشیا مثلاً موسم، پھول پھل، حیوانات، اسلحہ جنگ، آلاتِ موسیقی و اعضائے انسانی کی تشبیہات اور استعارے استعمال کیے گئے ہیں اور اس سلسلہ میں مصنف نے اپنی تخیلی و اختراعی صلاحیتوں کا پورا پورا مظاہرہ کیا ہے۔ مثلاً اس کے ہاں ہر فوج کی تعداد ستاروں سے زائد ہے، ہر سپاہی مریخ سے زیادہ خون کا پیاسا ہے، جس کا نیزہ شہاب ثاقب سے کم نہیں۔ اس کی تلوار بجلی اور برق کی طرح ہے اور خنجر کڑک و رعد کی طرح اور ڈھال چاند کی مانند۔

اسی طرح اسلحہ جنگ، رزم و بزم کے لوازم اور دیگر مناظر بیان کرنے میں ورق کے ورق رنگین کر دیے ہیں اور تاریخی واقعات بیان کرنے کی بجائے زیادہ تر اپنی ادبی مہارت اور فنی چابکدستی دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اس کی زائد از ضرورت تفصیلات کا اندازہ اس بیان سے ہوتا ہے جس میں اس نے محض دس کی گنتی پوری کرنے کی خاطر شہاب الدین غوری کے قتل کا واقعہ بایں تفصیل لکھا ہے:

ایک دو آدمی تین چار سازشیوں میں سے نکلے اور پانچ چھ زخم اس آقا کے لگائے جو سات اقلیم کا بادشاہ تھا۔ بالآخر اس بادشاہ کی روح آٹھ افلاک نو سپہر کی حدود پار کر کے عشرہ مبشرہ کی ارواح سے جا ملی۔"[۱۰]

---

[۱۰] ایلیٹ اینڈ ڈاوسن۔ کتاب مذکور، ص ۹۱، ۹۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الغرض اس طرح کے پُر تکلف طرزِ تحریر کی بدولت یہ کتاب تاریخ سے زیادہ ایک ادبی شاہکار نظر آتی ہے اور مورخ کے زیادہ کام کی نہیں رہتی لیکن ان خامی کے باوجود اس کتاب کی اہمیت اس لیے ہے کہ دہلی سلطنت کے اس ابتدائی دور کا یہ ایک معاصر اور معتبر ماخذ ہے۔ رہا اس کا یہ مرصّع طرزِ تحریر تو یہ اس عہد کا ادبی مذاق تھا اور اسی زمانہ میں اسی کو ادبی کمال سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ حسن نظامی اپنے اس طرزِ تحریر پر فخر کرتا ہے اور غالباً اسی مرصّع طرزِ نگارش کے پیشِ نظر اپنی کتاب کے آخر میں سلطان التتمش کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ "جب آپ میری اس تاریخ کا مقابلہ و موازنہ دیگر مؤرخین کی تصانیف سے کریں گے تو مجھے امید ہے کہ اگلی پچھلی تمام تاریخوں میں سب سے اعلیٰ اسی کو پائیں گے"۔[11] حالانکہ اسی طرزِ نگارش کی وجہ سے آج کل کے زمانہ میں اس کی وقعت کم ہو گئی ہے۔ کیوں کہ فضول عبارتوں کی بھرمار کی وجہ سے تاریخی حقائق زیادہ بیان نہیں ہو سکے۔ چنانچہ تاریخی قدر و قیمت کے لحاظ سے یہ پوری کتاب اپنے بعد کے مؤرخ منہاج السراج کی "طبقاتِ ناصری" کے ایک طبقہ کے برابر بھی نہیں ہے۔

حسن نظامی کی اس "تاج المآثر" کے تینس (۳۱) برس بعد منہاج السراج جوزجانی (م ۶۷۳ھ/ ۷۵-۱۲۷۴ء) کی عالمگیر تاریخ "طبقاتِ ناصری" وجود میں آئی[12] جو اس نے سلطان ناصر الدین محمود کے عہد میں ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء میں مکمل کی۔

یہ کتاب تئیس ۲۳ طبقوں پر مشتمل ہے۔ اس کے ابتدائی طبقات اور بیشتر حصّہ تاریخ انبیائے بنی اسرائیل، سیرت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سوانح خلفائے راشدین، تاریخ بنی امیہ، بنی عباس، سلاطینِ صفاریہ، سلاجقہ، آلِ بویہہ و خوارزم شاہی وغیرہ پر حاوی ہے۔ ہندوستان کے سلاطین کا تذکرہ اس کے طبقات ۱۱ اور ۱۷ تا ۲۲ میں مندرج ہے۔ ان میں جوزجانی نے خاندان

---

[11] ایلیٹ اینڈ ڈاوسن۔ کتاب مذکور، ص ۹۱ - ۹۲۔

[12] مطبوعہ در کلکتہ ۱۸۶۴ء و در کابل ۱۳۲۸ تا ۱۳۴۲ھ بہ تصحیح عبد الحی حبیبی۔ (اگرچہ اس تاریخ کی ترتیب کا کام ۶۲۶ھ میں ہی شروع کر دیا گیا تھا یعنی جس سال "تاج المآثر" ختم ہوتی ہے لیکن تکمیل ۶۵۸ھ میں ہوئی۔)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غزنویہ کی تاریخ سے آغاز کیا ہے اور ۶۵۸ھ/۱۲۶۰ء تک کے واقعات یعنی سلطان ناصر الدین محمود کے عہد پر اسے ختم کیا ہے۔

درحقیقت یہی وہ تصنیف ہے جس سے ہندوستان میں باقاعدہ تاریخ نویسی کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ جوزجانی نے اس کتاب کے ذریعہ سادہ زبان میں تاریخی واقعات کی تفصیلات بیان کرنے کی روایت ڈالی اور اپنے بعد آنے والوں میں صحیح وقائع نگاری کی اہمیت کا احساس اور ذوق پیدا کیا۔ اس نے اپنی کتاب کے ذریعہ تاریخ نویسی کی ایسی بنیاد فراہم کر دی جس پر مؤرخین کی آئندہ نسلوں نے ہندوستان میں مسلم تاریخ نگاری کی عمارت کھڑی کی۔ اسی لیے اس کو ہندوستان کی تاریخ نویسی کا باوا آدم کہنا موزوں معلوم ہوتا ہے۔ بعد کے مؤرخوں نے اپنی تصانیف میں نہ صرف یہ کہ اس پر اعتماد کیا ہے بلکہ بہت سے پہلوؤں میں اسی کی پیروی کی ہے[۱۳ھ]۔

اگرچہ "طبقاتِ ناصری" میں نقدِ رجال کے سلسلہ میں دیگر فارسی تاریخوں کی طرح زوال نظر آتا ہے مگر وہ اس حد تک نہیں گرا کہ اپنی تاریخ کو محض بادشاہوں کی تعریف و قصائد کا مجموعہ یا ان کا نصیحت نامہ بنا دے یا ان کی خاطر واقعات کو توڑ مروڑ کر مسخ کر دے۔

اپنے زمانہ کی فضول عبارت آرائی اور تصنع و بناوٹ کو ترک کرنے کی وجہ سے اس کے لیے ممکن ہو سکا کہ وہ کم صفحات میں زیادہ واقعات بیان کر سکے۔ اس کی تاریخ پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے تفصیلی تاریخی واقعات کو کس سلیقہ سے جمع کیا ہے اور انھیں مناسب مقام دیا ہے۔ انہی خصوصیات کی وجہ سے اس کو ہندوستان میں مسلمانوں کی تاریخی علمی روایت کا پہلا ناظم یا مرتب قرار دیا جا سکتا ہے۔

۱۳ھ مثلاً ضیاء الدین برنی نے "تاریخ فیروز شاہی" میں اور فرشتہ نے اپنی تاریخ "گلزار ابراہیمی" میں۔

© rasailojaraid.com